155
مدینہ، مدینہ
عالم ربانی رئیس المحققین
محمد عوامہ دام ظلہ
30 روپے
فرحت دکھائے
مدینہ... مدینہ
کس کے ساتھ

نعتِ رسول ﷺ

ہو گی کس سے بیاں عظمتِ مصطفیٰ
ہے وراء الوریٰ رفعتِ مصطفیٰ

ایک مجھ پہ تو کیا؟ ساری دنیا پہ ہے
شفقتِ مصطفیٰ ، رحمتِ مصطفیٰ

یاد رکھا ہمیشہ نہ بھولے اسے
کتنی خوش بخت ہے اُمت مصطفیٰ

اس حقیقت کو تسلیم سب نے کیا
روحِ قرآن ہے سیرتِ مصطفیٰ

ساری بے چینیاں دور ہو جائیں گی
دیکھ لوں گا میں جب صورتِ مصطفیٰ

سرخرو دین و دنیا میں ہو جاؤں گا
جب ہوا عامل سنتِ مصطفیٰ

دونوں اعزاز آصف مجھے مل گئے
نسبتِ مصطفیٰ ، مدحتِ مصطفیٰ

فرحت دکھائے مدینہ... مدینہ

اللہ تعالیٰ سے ”حسن خاتمہ“ کا سوال ہے......

”اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ حُسْنَ الْخَاتِمَۃِ“

اچھے خاتمے کی علامات

اہلِ علم نے حضور اقدس سیدنا و مولانا محمد ﷺ کی احادیث مبارکہ میں غور کر کے ”اچھے خاتمے“ کی اُنیس ﴿۱۹﴾ علامات لکھی ہیں...... ممکن ہے اس سے بھی زیادہ ہوں...... اسی طرح ”بُرے خاتمہ“ کی علامات بھی تحریر فرمائی ہیں......

اس بارے دو باتیں یاد رکھنا ضروری ہیں......

﴿۱﴾ انسان کا خاتمہ...... یعنی اس کی اس دنیوی زندگی کا اختتام...... اس میں روح جسم سے نکل جاتی ہے...... روح جب جسم سے نکل جاتی ہے تو اس کا پتا سب کو چل جاتا ہے...... لیکن یہ روح جسم سے نکلی کیسے؟ یہ ایک چھپا ہوا اور خفیہ معاملہ ہے...... روح تکلیف سے نکلی یا آسانی سے نکلی؟ کتنی دیر میں نکلی؟...... کس طریقے سے نکلی؟...... یہ بات صرف اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتی ہے...... یا اُن

فرشتوں کے علم میں جو اس کام پر مقرر کئے جاتے ہیں...... یا مرنے والے کو پتا ہوتا ہے کہ اس پر کیا بیت رہی ہے؟

اس لیے اس معاملے کا کوئی ''حتمی'' فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کہ فلاں کا خاتمہ اچھا ہوا ہے اور فلاں کا بُرا...... ہاں البتہ کئی علامات سے اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے...... اچھے خاتمے کی واضح علامات ہوں تو اُن کو لوگوں کے سامنے بیان بھی کرنا چاہیے...... اُن پر شکر بھی ادا کرنا چاہیے...... اور اگر کسی مسلمان کے خاتمے کی بُری علامات نظر آئیں تو بہتر یہ ہے کہ خاموشی اختیار کی جائے، اپنے لیے اور اُس کے لیے استغفار کیا جائے...... اور ذہن میں کوئی فیصلہ پکا نہ بٹھایا جائے...... کیونکہ علامات سمجھنے میں غلطی ہو سکتی ہے...... انسان کے کان اور آنکھیں سب سے زیادہ دھوکہ کھاتے ہیں...... ممکن ہے دیکھنے اور سننے میں غلطی ہوئی ہو...... اور جس کا خاتمہ ہم بُرا سمجھ رہے ہیں وہ اچھے خاتمے کے مزے لوٹ رہا ہو...... اور ہم خوامخواہ دل میں غلط گمان لیے پھر رہے ہوں......

آج یہ موضوع کیوں؟

بہت سے ''اہل محبت'' آج کل کے تازہ اور گرم حالات پر تبصرہ اور تجزیہ سننا چاہتے ہوں گے جبکہ ہم...... موت کی باتیں لے کر بیٹھ گئے......

بات دراصل یہ ہے کہ...... آج کل کے حالات پر بات کرنا ایسا ہے جیسا کہ ''سایہ کو ناپنا'' یا ''مینڈکوں کو تولنا''......

دھوپ نکلتی ہے تو انسان کا ایک سایہ بن جاتا ہے...... مگر یہ سایہ ایک جیسا نہیں رہتا...... ہر چند منٹ بعد اس میں تبدیلی آجاتی ہے...... دھوپ کے ساتھ یہ چھوٹا، بڑا ہوتا چلا جاتا ہے...... اسی طرح زندہ مینڈکوں کو تولنا بھی آسان نہیں ہوتا...... وہ مسلسل اُچھلتے رہتے ہیں...... کبھی اِدھر، کبھی اُدھر...... کبھی ترازو پر، کبھی نیچے...... اور اب تو دنیا پر ''مینڈک اعظم'' کی حکومت چل رہی ہے...... جس کی کسی بات پر تجزیہ چل رہا ہوتا ہے کہ اسی دوران وہ اُچھل کر اس کے برخلاف بات کر دیتا ہے...... ہمارے ساتھ ''تہاڑ جیل'' میں دو ہندو قید تھے...... دونوں بھائی تھے اور پہلوان بھی......

سارا دن کچھ نہ کچھ کھاتے رہتے تھے...... ہمارے ایک ساتھی نے ایک بار تعجب کے ساتھ کہا کہ یہ اتنا کیسے کھاتے ہیں؟ محترم کمانڈر سجاد شہید رحمۃ اللہ علیہ نے ہنس کر کہا...... اُن کا کون سا وضو ٹوٹتا ہے؟ مختصر بات تھی مگر بہت جامع...... اسلام، عبادات، فکر آخرت، فکر خاتمہ، طہارت یہ سب کچھ انسان کے اندر انسانیت اور توازن پیدا کرتے ہیں...... یہ نہ ہوں تو انسان ایک بدترین جانور بن جاتا ہے......

بس اسی طرح کہہ سکتے ہیں کہ...... ٹرمپ کا طرح طرح کی ٹویٹ کرنے یا بیان دینے سے کون سا وضو ٹوٹتا ہے؟...... آج کل جنگ کے حالات ہیں...... اور جنگ کی کمان...... غیر متوازن اور غیر فطری افراد کے ہاتھ میں ہے...... اس لیے اگر کوئی تجزیہ یا تبصرہ کریں تو کل تک معلوم نہیں وہ کتنا پرانا اور بے فائدہ ہو چکا ہو گا...... اس لیے خاموشی سے حالات دیکھ رہے ہیں...... خیر کی دعاء مانگ رہے ہیں...... اُمت مسلمہ کی فلاح اور کامیابی کا سوچ رہے ہیں...... اور اللہ تعالیٰ سے بہتری کے امیدوار ہیں...... البتہ ''موت'' کی بات ہمیشہ مفید ہوتی ہے...... کیونکہ اور کچھ ہو نہ ہو...... موت تو ہر کسی پر آنی ہے...... اس کا خوف دل میں جس قدر کم...... اور اس کی تیاری کی فکر جس قدر زیادہ ہو تو...... یہ مؤمن کے لیے بہترین تحفہ ہے......

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی فکر

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین...... موت کو بہت یاد رکھتے تھے...... اور حسن خاتمہ کی بہت ہی زیادہ فکر فرماتے تھے...... ہو سکے تو اُن کے اس بارے میں واقعات پڑھا کریں...... حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اچھے خاتمے کی ایک علامت ارشاد فرمائی......

اَلْمُؤْمِنُ یَمُوْتُ بِعَرَقِ الْجَبِیْنِ (سنن نسائی)

ترجمہ...... مؤمن کی موت ماتھے کے پسینے کے ساتھ آتی ہے...... یعنی جب اُس پر موت کا عمل شروع ہوتا ہے...... اور اس کی روح اُس کے جسم سے نکلنے لگتی ہے تو اُس کی پیشانی پر پسینہ آجاتا ہے...... حضرات صحابہ کرام نے یہ سنا تو بس اس پسینے کے انتظار میں رہتے...... حضرت سیدنا بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ اپنے بیمار بھائی کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے......

وہاں پہنچے تو وہ آخری وقت میں تھے اور اُن کے ماتھے پر پسینہ تھا...... یہ دیکھتے ہی حضرت سیدنا بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنا غم بھول گئے اور فرمایا......

اللہ اکبر! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا!

''مؤمن کی موت کے وقت اس کی پیشانی پسینے سے تر ہوتی ہے''...... ایک اور صحابی حالت وفات میں تھے...... اُن کی پیشانی پر پسینہ آیا تو کسی نے ہاتھ بڑھا کر صاف کرنے کی کوشش کی...... انہوں نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ مار کر ہٹا دیا...... ایسے اور بہت سے واقعات اہل علم نے لکھے ہیں...... حدیث شریف میں اس ''پسینے'' کی وجوہات بیان نہیں فرمائی گئیں کہ یہ کیوں آتا ہے...... بس اتنا سمجھایا گیا کہ یہ ایمان والی موت کی ایک نشانی ہے (کسی مؤمن کو یہ علامت ملتی ہے کسی اور کو یہ علامت نہیں ملتی دیگر کوئی علامت مل جاتی ہے)...... البتہ محدثین کرام نے اس پیشانی والے پسینے پر کئی باتیں لکھی ہیں...... ایک بات یہ بھی لکھی ہے کہ مؤمن کو موت کے وقت اس کا جو بلند مقام دکھایا جاتا ہے...... اور اس کے دل و دماغ پر اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا جو یقین طاری ہوتا ہے...... اس کے ''حیاء'' سے اُس کی پیشانی پر پسینہ آجاتا ہے...... کہ میں تو اس کے قابل نہیں مگر مجھ پر کتنا بڑا احسان فرمایا جا رہا ہے......

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے...... ''حسن خاتمہ'' کی یہ علامت ہمارے پیارے بھائی جان...... محترم محمد طاہر انور صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بھی نصیب ہوئی...... اُن کی پیشانی پسینہ سے تر ہوئی تو بچوں میں سے کسی نے اُسے پونچھنے کی کوشش کی...... بھائی جان نے روک دیا اور فرمایا...... اسی کا تو انتظار تھا...... والحمدللہ رب العالمین......

اہلِ علم نے حسن خاتمہ کی ایک بڑی علامت آخری وقت میں کلمہ طیبہ کا ورد بیان فرمائی ہے...... حدیث شریف معروف ہے کہ جس کا آخری کلام...... لاالہ الا اللہ...... ہو وہ جنت میں داخل ہوگیا...... الحمدللہ...... اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے یہ علامت بھی بھائی جان کو نصیب فرمائی...... وہ کلمہ طیبہ کا ورد کر رہے تھے...... گھر والوں نے کہا آپ ''یاارحم الراحمین'' پڑھیں...... فرمایا وہ اب آپ

پڑھو......میرا تو کلمہ پڑھنے کا وقت ہے......

حسن خاتمہ کی سب سے بڑی علامت...... اہل علم نے جہاد فی سبیل اللہ میں شہید ہونا تحریر فرمائی ہے...... اللہ، اللہ، اللہ...... وہ تو موت ہی کچھ اور ہے......بس نام کی موت اور حقیقت میں زندگی سے بڑی زندگی......زندگی سے مزیدار زندگی......اسی طرح ''راہ جہاد'' میں وفات پانا بھی حسن خاتمہ کی ایک بڑی اور اہم علامت ہے......جبکہ رباط فی سبیل اللہ......یعنی جہاد کا انتظار......شہادت کا انتظار......اس میں آنے والی موت کی چاہت میں...... بڑے بڑے صحابہ کرام......مدینہ منورہ چھوڑ کر شام کے سرحدی علاقوں میں منتقل ہو گئے......

اُن میں ایک بڑا نام......حضرت سیدنا و مولانا بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ کا ہے......وہ جہاد و رباط کے لیے دمشق کے سرحدی علاقے میں مقیم تھے......اُن کے ساتھ اُن کی اہلیہ محترمہ بھی تھیں......جب وفات کا وقت آیا اور علامات ظاہر ہوئیں تو زوجہ محترمہ نے فرمایا!

''واحزناہ''

ہائے غم......ہائے افسوس......

یہ سن کر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے چہرے سے چادر ہٹائی......حالانکہ روح نکلنے کا عمل جاری تھا مگر پھر بھی فرمایا!

''لا تقولی واحزناہ! وقولی وافرحاہ!

ہائے غم، ہائے غم نہ کہو بلکہ کہو......واہ خوشی، واہ فرحت......

غداً نلقى الاحبة محمدا وصحبه......

کل ہم اپنے محبوبوں سے ملیں گے......یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے صحابہ کرام سے......

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَ بَارِكْ عَلٰى سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَ بَارِكْ وَسَلِّمْ تَسْلِیْمًا كَثِیْرًا كَثِیْرًا

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

مولانا طلحۃ السیف

کس کے ساتھ

جنگ جاری ہے......

جنگ رک رہی ہے......

جنگ رک گئی ہے......

جنگ پھر شروع ہونے کا امکان ہے......

جنگ نے سب کے دل و دماغ اپنے قبضے میں لے رکھے ہیں......

جنگ رک گئی تو کیا کیا سستا ہو جائے گا اور کن کن چیزوں کی قیمت بڑھ جائے گی؟......

تاجروں کی نبضیں اسی سوچ پر تھمی ہوئی ہیں......

جنگ جاری رہی تو سفر کا سلسلہ کہاں کہاں موقوف اور کہاں کہاں جاری رہے گا؟......

سیاح اس سوچ میں پریشان ہیں......

جنگ کی صورت میں سیاسی حالات کس کروٹ رخ لیں گے اور رک گئی تو کون کون سی سیاسی تبدیلیاں رونما ہوں گی؟......

سیاستدان اور تجزیہ کار اس سوچ میں غلطاں ہیں......

البتہ سوشل میڈیا پر سرگرم رہنے والوں کو سب سے بڑا مسئلہ یہ درپیش ہے کہ ثابت کریں وہ اس جنگ میں کس کی طرف ہیں؟......

اور پھر جس طرف ہیں اس طرف ہونے کے درست ہونے کو بھی ثابت کریں اور اس طرف نہ ہونے والوں کے درست نہ ہونے کو بھی......

بظاہر لگتا ہے کہ سب سے بڑی پریشانی اسی جھوٹ کی دنیا میں رہنے والوں کو درپیش ہے۔شاید ان سے بھی زیادہ جو اس جنگ کا براہ راست ایندھن بن رہے ہیں......

آپ کس طرف ہیں؟......

ظاہر ہے مسلمان ہوتے ہوئے امریکہ اور اسرائیل کی طرف ہونا تو ناممکن ہے۔

لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ مسئلہ بھی ہے کہ دوسری طرف ہونے کے لیے بھی حافظے کا شدید کمزور ہونا ضروری ہے۔ایران پچھلے تیس سال سے اور پھر ان میں بھی خصوصیت کے ساتھ گزشتہ دہائی میں مشرق وسطیٰ کے چار ممالک میں مسلسل اہل ایمان کے خلاف خود جو کچھ کرتا رہا ہے اور اپنے او پر حملہ آور امریکہ کے ساتھ علانیہ شراکت داری کر کے عراق کے مسلمانوں کے خلاف جس طرح کے مظالم ڈھا چکا ہے، شام میں، یمن میں، لبنان میں اس نے اپنی سرپرستی میں اہل ایمان پر جو قیامتیں ڈھائی ہیں اتنے دور کی بات نہیں کہ بھول جانا آسان ہو۔اس کی طرف سے سرزمین حرم سے متعلق جن عزائم کا کھلم کھلا اظہار ہوتا رہتا ہے وہ بھی ناقابل فراموش ہے،اسی طرح پاکستان میں علماء کرام کی شہادتوں کے پیچھے اس کا علانیہ ہاتھ، ریاست مخالف عناصر کی سرپرستی جیسے عزائم بھی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔اس لیے یہ فیصلہ بھی بہت مشکل ہے کہ خود کو اس کی طرف قرار دے دیا جائے۔

ایک صاحب کا ویڈیو کلپ وائرل ہے۔ان کے ہاں (خود ساختہ) اخلاقیات کا بڑا کڑا معیار ہے۔کسی کافر کو بھی برا بھلا کہنا، اس کے لیے بد دعاء کرنا، کفار کے تئیں دل میں بغض رکھنا کافی غلط اعمال شمار ہوتے ہیں۔لیکن وہ بڑے کڑوے لہجے میں ان لوگوں کو گالیوں سے نواز رہے ہیں اور ان کے لیے ہلاکت کی بد دعاء کر رہے ہیں جو اس جنگ میں ایران کے ساتھ نہیں اور اس سے ہمدردی نہیں رکھتے۔گمان تھا کہ بوڑھی بیواؤں کے انداز میں دی گئی ان بد دعاؤں کے ڈر سے ہی شاید ہمارے دل میں کچھ خوف پیدا ہو جائے اور ایران سے ہمدردی کے جذبات اُٹھنے لگیں لیکن ایسا نہ ہوا۔وجہ یہ ہے کہ لوگوں کو ان کی بد دعاء سے نہیں دعاء سے خوف آتا ہے۔انہوں نے کچھ عرصہ قبل ننگے سر آنسو بہاتے ہوئے ٹی وی پر جن لوگوں کو والہانہ دعاؤں سے نوازہ تھا وہ یا تو جیلوں میں

ہیں یا لیبڑین میں گر جانے کی وجہ سے انتہائی نگہداشت کے وارڈ میں داخل ہیں۔

اور آپ اگر خوش قسمتی سے ان لوگوں میں سے بھی نہیں ہیں جنہوں نے ”جنازے“ سے پہلے غائبانہ جنازے ادا کر لیے ہیں اور اب اسی جنازہ پڑھ لینے کے عمل کی لاج رکھنے کے لیے دن رات بھونڈے دلائل پیش کرنے اور دوسروں کے تئیں تسخر کا مظاہرہ کرتے چلے جانے پر مجبور ہیں تو ایک کام کیجئے۔اس فکر سے باہر آئیے کہ ہم کس کے ساتھ ہیں اور......

الف: ہر نماز کے ساتھ اس دعاء کا معمول بنائیں کہ اللہ تعالیٰ ہر حال میں اپنے حبیب ﷺ کی امت پر رحم فرمائے اور اس کے لیے خیر کا راستہ نکالے۔غزہ پر جاری یلغار کے دنوں میں ایک بہت بڑے بزرگ بیان فرما رہے تھے کہ اس جنگ کے صرف بند ہونے کی دعاء نہ کیا کریں بلکہ مسلمانوں کی فتح اور مسجد اقصیٰ کی آزادی کے ساتھ ختم ہونے کی دعاء کیا کریں۔جبکہ وہاں تو اہل غزہ اہل ایمان ہمارے بھائی براہ راست اس جنگ کی زد میں تھے۔اب بھی چونکہ ہمیں معلوم نہیں کہ اس جنگ کا جاری اور باقی رہنا امت کے عظیم مفاد میں ہے یا اس کا رک جانا۔لہٰذا دعاء یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اس جنگ کا وہ انجام فرمائے جو امت محمد ﷺ اور خصوصیت کے ساتھ اس امت کے مظلومین کے حق میں ہو۔

یہ جنگ طوفان الاقصیٰ کی ایکسٹینشن ہے۔یہ امت کے قلندر یحییٰ السنوار شہید کی اس پیشن گوئی کی عملی صورت ہے جو انہوں طوفان الاقصیٰ کے آغاز پر کی تھی کہ یہ صرف ایک کارروائی نہیں اس جنگ کا آغاز ہے جو نقشے بدل دے گی۔زمین کا جغرافیہ ہو یا سیاسی حالات،معیشت کی منڈیاں ہوں یا سیاست کے میدان۔اب ان میں سے کچھ بھی اپنی اس شکل پر باقی نہیں رہے گا جو طوفان الاقصیٰ کے برپا ہونے سے پہلے موجود تھی۔اس پیشگوئی کے پورا ہونے میں معلوم نہیں اب کون کون سی جنگیں کس کس شکل میں برپا ہوتی ہیں اور کن کن طاقتوں کے باہمی ٹکراؤ

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ

کی عملی تفسیر بنتے ہیں اور اس قانون الٰہی کے مقاصد کی تکمیل کا سامان ہوتا ہے۔یہ جن طاقتوں

کی آویزش ہے ان میں سے کسی کا طاقت میں رہنا بھی امت کے حق میں خیر نہیں یہ بات دونوں اپنے طرز عمل سے خوب اچھی طرح واضح کر چکے ہیں۔اب ہماری دعاء یہی ہونے چاہیے کہ جن قوتوں کا وجود امت کے حق میں ناسور ہے خواہ وہ کسی شکل میں بھی ہوں، کسی بھی جھنڈے تلے ہوں، کسی بھی کلمے کی پیروی میں ہوں یہ جنگ ان کی تباہی اور امت کی ان سے خلاصی پر منتج ہو۔اس خطے میں جو حقیقت میں مرکز اسلام ہے اسلام کی خیر خواہ اور امت کی ہمدرد قوتوں کو فروغ واقتدار نصیب ہو اور یہ خطہ باقی عالَم میں اسلام کے غلبے کا مرکز بنے۔ اللہ تعالیٰ امریکہ اور اسرائیل کو ہلاک فرمائے۔انہیں زوال سے دوچار فرمائے اور اس جنگ کا انجام امت کے حق میں خیر فرمائے آمین۔بعض جنگوں میں کسی ایک فریق کی طرف ہونے کی بجائے جنگ کی طرف ہونا بہترین حکمت عملی ہوتی ہے۔

ب: دوسری بات یہ کہ اس جنگ میں بہت کچھ ایسا ہے جو مزا لینے کے قابل ہے۔اسرائیل کی تباہی کے مناظر، ٹرمپ کی درفنطیاں، عالمی طاقتوں کی باہمی چپقلش، ٹوٹتے اتحاد اور معاہدے، مسلمانوں میں سے بہت سے اہل نفاق حکمرانوں، خانوادوں اور جماعتوں کی نقاب کشائی یہ سب

بَأْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيدٌ

کے حسین مناظر ہیں جو اس قابل ہیں کہ ان کا پورا مزا لیا جائے۔لیکن یہ مزا آپ کو تب ہی آئے گا جب آپ اس فکر سے آزاد ہو کر اس جنگ کو دیکھیں گے کہ آپ کس کے ساتھ ہیں۔ پاکستان نے دونوں فریق مذاکرات کے لیے اپنے پاس بلا لیے اس پر ہندوستان میں جو حالات بنے وہ اس جنگ کے مزے کا عروج تھا۔کھسیانی بلی کے کھمبا نوچنے کا منظر حقیقت میں یقیناً اتنا دلچسپ نہیں ہوگا جتنا ہندوستان کے میڈیا، سیاستدان اور خصوصاً حکمرانوں کے احوال میں محاورے کی زبان میں چھلک رہا ہے۔ٹرمپ نے فرانس کے صدر میکرون اور اس کی بیوی پر ایک تبصرہ اچھالا اور پھر میکرون نے اس کا جو زبانی اور عملی جواب دیا وہ بھی ایک بھرپور انٹرٹینمنٹ کہانی رہی۔ابھی اس جنگ کے اور کتنے روپ کھلنے ہیں اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں۔ہمارے دلوں میں یہ ڈر اور خوف

ضرور ہے کہ یہ امت کے لیے کسی سخت ابتلاء کا باعث نہ بن جائے اس وجہ سے اپنے لئے، امت کے لیے عافیت کا سوال کرتے ہیں اور خیر کی دعاء مانگتے ہیں۔ اس جنگ میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے دلوں کی شفاء وتسکین کا بہت سارا سامان رکھا ہے اس سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور اس جنگ میں کسی کی طرف ہونے یا نہ ہونے کا اپنا حق اپنے پاس محفوظ رکھتے ہیں اور ایک واضح سوچ اور مؤقف پر قائم ہیں۔ بد دعائیں دینے والے اپنی آخرت کی فکر کریں، طعنوں، کوسنوں اور ڈراووں سے نہیں اپنے مؤقف پر کسی کو قائل کرنا ہے تو دلیل سے کریں۔

بقیہ: پیغام نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اس صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا: اللہ کی قسم میں نے یہ چادر صرف اس لیے مانگی ہے تا کہ وفات کے دن مجھے اسی چادر میں کفن دیا جائے!

اس حدیث کے راوی حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں: پھر اس صحابی کو اسی چادر میں کفن دیا گیا تھا!

☆ آپ اندازہ نہیں کر سکتے کہ انسان کو ان دونوں میں سے زیادہ پسند آنے والی بات کیا ہے؟ ایک نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل کہ باوجود ضرورت کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ چادر مانگنے والے کو عطاء فرما دی یا صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عظیم جذبہ جو اس چادر میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ملاقات کرنا چاہتے تھے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسمِ اطہر کے ساتھ لگی تھی؟

☆ بہرحال ہمیں یہاں ایک اصول ہمیشہ کیلئے معلوم ہو گیا کہ کسی شخص سے کوئی ایسی چیز نہیں مانگنی چاہیے کہ جس کو وہ اپنی حیا کی وجہ سے دینے پر مجبور ہو جائے!

☆ کبھی کسی انسان کو مجبور کر کے اس سے قلم، گھڑی یہاں تک کہ عطر کی شیشی جیسی معمولی چیز نہ لیں!

☆ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ کچھ لوگ حیا کی وجہ سے مانگنے والے کو انکار نہ کر سکیں، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہونا چاہیے کہ دوسرے لوگ مانگنے میں بے لحاظ بن جائیں!

١٦

پیغامِ نبوی ﷺ

مفتی محمد منصور احمد

تربیت ضرور کریں لیکن سلیقے سے!

لَا نَأْكُلُ الصَّدَقَةَ (مسند احمد: ۹۳۰۸)

ہم (رسول اللہ ﷺ اور آپ کے گھرانے والے) صدقہ نہیں کھاتے۔

رسول اللہ ﷺ کے نواسے سیدنا حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صدقہ کی کھجوروں میں سے ایک اپنے منہ میں ڈال لی، نبی کریم ﷺ نے انتہائی پیار سے انہیں فرمایا: ناں ناں، کیا آپ کو پتہ نہیں ہے کہ ہم صدقہ کی چیز نہیں کھاتے؟

☆ اہلِ عرب کی خوبصورت ترین باتوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں: بچپن میں سکھائی ہوئی بات پتھر پر لکیر کی طرح ہوتی ہے، یعنی وہ بات ہمیشہ یاد رہتی ہے، جو کنواں شروع شروع میں کھود لیا جائے اس کے فائدے دیر پا ہوتے ہیں، اپنے بچوں کی تربیت کریں اور ان کو علم کی باتیں بتلائیں!

☆ اخلاق ایک علم ہے، عقیدہ ایک علم ہے، حلال و حرام کا فرق بھی ایک علم ہے!

☆ جب بچے کی غلطی پر والدین اس کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں تو کچھ لوگ بہت احمقانہ بات کہتے ہیں: ابھی تو بچہ ہے اسے کچھ نہ کہیں!

☆ اگر بچپن میں تربیت نہیں ہوگی تو پھر کب ہوگی؟

☆ ٹیڑھی شاخ کو سیدھا کرنا آسان ہے لیکن جھکا ہوا درخت کبھی سیدھا نہیں ہوتا!

☆ پھر یہ بات یاد رکھیں کہ تربیت صرف ایک علاج ہے، یہ کسی سے انتقام لینے کا نام نہیں!

☆ محبت اور سمجھداری سے راستے کو بدلنا تربیت کہلاتا ہے اور تشدد اور مار پیٹ سے بدلنا پسماندگی اور جہالت ہے!

☆ جلاد نہ بنیں کہ اپنے بچوں کے دلوں میں دہشت اور خوف کے بیج بو ڈالیں!

☆ بہت بڑا جرم ہوگا کہ بچے بڑے ہوں اور ان کا یہ یقین بن چکا ہو کہ تمام مسائل کا حل صرف سختی اور تشدد میں ہے!

یہ بڑے نفع کے سودے ہیں!

رَبِحَ الْبَیْعُ أَبَا یَحْیٰی (معجم کبیر طبرانی:۷۳۰۸)

اے ابو یحییٰ! آپ نے اپنی تجارت میں بڑا نفع کمایا۔

کتنا شاندار منظر ہے: سیدنا حضرت صہیب رومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہجرت کر کے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ پہنچ رہے ہیں

واقعہ یہ ہوا تھا کہ قبیلہ قریش کے کفار نے آپ کو مکہ مکرمہ کے قریب ہی روک لیا تھا اور پھر ان کی طرف سے آپ کو یہ اختیار دیا تھا کہ یا تو آپ اپنا مال و دولت سب ہمارے حوالے کر دیں یا مدینہ منورہ ہجرت نہ کریں، حضرت صہیب رومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں اپنے سارے مال کا پتہ بتا دیا اور وہاں سے مدینہ منورہ روانہ ہو گئے۔

اب یہ دوسرا منظر ہے!

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تسلی اور مبارک باد کے ساتھ آپ کا استقبال فرما رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں:

اے ابو یحییٰ! آپ نے بڑے نفع کا سودا کیا ہے، اے ابو یحییٰ! آپ نے اپنے تجارت میں بڑا نفع کمایا ہے!

☆ ہر وہ چیز جو آپ نے اللہ کیلئے قربان کر دی، جان لیں کہ آپ نے اس قربانی میں بڑا نفع کمایا ہے!

☆ ہر گناہ جو آپ نے اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے چھوڑ دیا یقین جانیں اس کے چھوڑنے میں آپ نے

بہت نفع کمایا ہے!

☆ وہ غصہ جو آپ پی گئے اور آپ نے انتقام نہیں لیا، یاد رکھیں اس غصے کے دبانے میں آپ نے بہت نفع کمایا ہے!

☆ وہ پردہ جو آپ نے کسی گنہگار پر ڈال دیا، سمجھ لیں کہ اس پردہ پوشی میں آپ نے بہت نفع کمایا ہے!

☆ ہر وہ مال جو آپ اپنے اوپر خرچ کرنے کی بجائے صدقہ کے طور پر کسی فقیر پر خرچ کر دیتے ہیں، یاد رکھیں آپ نے اس میں بہت نفع کمایا ہے!

☆ آپ کی تجارت بہت ہی مہربان رب کے ساتھ ہے اس لیے کبھی ایسی تجارت اور سودے پر افسوس نہ کریں!

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عطاء اور صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عظیم جذبہ!

فَكَانَتْ كَفَنَهُ (صحیح بخاری: ۱۲۷۷)

اس آدمی کو اسی چادر میں کفن دیا گیا

ایک خاتون چادر لیے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا:

یارسول اللہ! میں نے یہ چادر اپنی ہاتھ سے تیار کی ہے، آپ اسے زیبِ تن فرمالیجیے!

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اتفاقاً چادر کی ضرورت بھی تھی، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ چادر لے لی اور اوڑھ کر باہر تشریف لائے۔ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ چادر دیکھی تو عرض کیا: یارسول اللہ! یہ چادر مجھے عنایت فرما دیجئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ٹھیک ہے!

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھوڑی دیر تشریف فرما ہوئے، جب گھر واپس آئے تو وہ چادر لپیٹ کر اس صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھجوا دی! لوگوں نے اس صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ملامت کی اور کہا: آپ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چادر مانگ کر اچھا نہیں کیا، حالانکہ آپ کو یہ بات معلوم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی مانگنے والے کو انکار نہیں فرماتے!

بقیہ صفحہ 10 پر

قاری نوید مسعود ہاشمی

غزوۂ اُحد

معرکۂ حق و باطل

جنگ اُحد 7 شوال 3 ھ میں مسلمانوں اور مشرکین مکہ کے درمیان اُحد کے پہاڑ کے دامن میں ہوئی، مشرکین کے لشکر کی قیادت حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تھی (یاد رہے کہ وہ اس وقت حالت کفر میں تھے) اور انہوں نے تین ہزار سے زائد مشرکین کے لشکر کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ کرنے کی منصوبہ بندی کر رکھی تھی جس کی باقاعدہ تیاری کی گئی تھی، مسلمانوں کی قیادت جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کی۔

اس جنگ کے نتیجہ کو کسی کی فتح یا شکست نہیں کہا جا سکتا کیونکہ دونوں طرف شدید نقصان ہوا اور کبھی مسلمان غالب آئے اور کبھی مشرکین، لیکن آخر میں مشرکین کا لشکر لڑائی ترک کر کے مکہ واپس چلا گیا، غزوۂ بدر میں مسلمانوں کو شاندار فتح ہوئی تھی اس کے بعد قریش مکہ اور یہودیوں کو اندازہ ہوا کہ اب مسلمان ایک معمولی قوت نہیں رہے، شکست کھانے کے بعد مشرکین مکہ نہایت غصے میں تھے اور نہ صرف اپنی ناکامی کا بدلہ لینا چاہتے تھے بلکہ ان تجارتی راستوں پر دوبارہ قبضہ کرنا چاہتے تھے جن کی ناکہ بندی مسلمانوں نے غزوۂ بدر کے بعد کر دی تھی۔

جنگ کے شعلے بھڑکانے میں حضرت ابوسفیان، اُن کی بیوی ہندہ رضی اللہ عنہا (جنہوں نے بعد میں اسلام قبول کر لیا تھا) اور ایک یہودی کعب الاشرف کے نام نمایاں ہیں۔ ہندہ نے اپنے گھر محفلیں شروع کر دیں جن میں اشعار کی صورت جنگ کی ترغیب دی جاتی تھی۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غزوہ اُحد سے کچھ پہلے مدینہ کے قریب ایک یہودی قبیلہ کے سردار کے پاس کچھ دن رہائش رکھی تا کہ مدینہ کے حالات سے مکمل آگاہی ہو سکے۔ ابوجہل غزوۂ بدر میں مارا گیا تھا جس کے بعد قریش کی سرداری حضرت ابوسفیان کے پاس تھی، مکہ کے دارالندوہ میں ایک اجلاس میں فیصلہ ہوا کہ جنگ کی تیاری کی جائے۔ اس مقصد کے

لیے مال و دولت بھی اکٹھا کیا گیا، جنگ کی بھرپور تیاری کی گئی، تین ہزار سے کچھ زائد سپاہی جن میں سے سات سو زرہ پوش تیار کئے گئے، ان کے ساتھ دو سو گھوڑے اور تین سو اونٹ بھی تیار کیے گئے کچھ عورتیں بھی ساتھ گئیں جو اشعار پڑھ پڑھ کر مشرکین کو جوش دلاتی تھیں۔

حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی ہندہ نے یہ ارادہ کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کلیجہ چبائے گی چنانچہ اس مقصد کے لیے اس نے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کے لیے اپنے ایک غلام کو خصوصی طور پر تیار کیا۔ بالآخر یہ فوج مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے روانہ ہو گئی۔

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے، جو مکہ ہی میں رہتے تھے، انہیں مشرکین کی اس سازش سے آگاہ کر دیا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار و مہاجرین سے مشورہ کیا کہ شہر میں رہ کر دفاع کیا جائے یا باہر جا کر جنگ لڑی جائے؟ فیصلہ دوسری صورت میں ہوا یعنی باہر نکل کر جنگ لڑی جائے، چنانچہ 6 شوال کو نمازِ جمعہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو استقامت کی تلقین کی اور ایک ہزار کی فوج کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہو گئے۔

اشواط کے مقام پر ایک منافق عبداللہ بن اُبی تین سو سواروں کے ساتھ جنگ سے علیحدہ ہو گیا اور بہانہ یہ بنایا کہ جنگ شہر کے اندر رہ کر لڑنے کا اس کا مشورہ نہیں مانا گیا۔

ہفتہ 7 شوال 3ھ کو دونوں فوجیں اُحد کے دامن میں آمنے سامنے آ گئیں۔ اُحد کا پہاڑ مسلمانوں کی پشت پر تھا۔ وہاں ایک درہ پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیادت میں پچاس تیر اندازوں کو مقرر کیا تاکہ دشمن اس راستے سے میدانِ جنگ میں نہ آ سکے۔

جنگ کا آغاز مشرکین کی طرف سے ہوا جب ابو عامر نے تیر اندازی کی، اس مرحلہ پر نو مشرکین آئے جو سب قتل ہو گئے، دوسرے مرحلے میں مشرکین مکہ نے اکٹھا بھرپور حملہ کر دیا اس دوران ان کی کچھ عورتیں ان کو اشعار سے اشتعال دلا رہی تھیں تاکہ وہ غزوہ بدر کی عبرتناک شکست کا داغ دھو سکیں۔

ابتداء کی زبردست جنگ میں مسلمانوں نے مشرکین کے کئی لوگوں کو قتل کیا جس پر مشرکین فرار ہونے لگے، مسلمان یہ سمجھے کہ وہ جنگ جیت گئے ہیں چنانچہ درے پر تعینات صحابہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ ہدایت فراموش کر دی کہ درہ کسی قیمت پر نہیں چھوڑنا اور درہ چھوڑ کر میدان میں مالِ غنیمت اکٹھا کرنا شروع کر دیا۔ صرف دس افراد درہ پر رہ گئے، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے)

نے موقع غنیمت جانتے ہوئے کوہِ اُحد کا چکر لگا کر درہ پر قبضہ کرلیا اور مسلمانوں پر یکدم پیچھے سے وار کر دیا، اسی اثناء میں یہ افواہ پھیل گئی کہ حضرت محمد ﷺ شہید کر دیئے گئے ہیں، یہ سن کر اکثر صحابہؓ نے ہمت ہار دی کچھ لوگ میدان جنگ چھوڑ گئے، کچھ ارد گرد کی پہاڑیوں پر چڑھ گئے کچھ لوگوں نے یہ سوچا کہ حضور ﷺ کے بعد زندگی کسی کام کی نہیں، کچھ لوگ حضور ﷺ کے ساتھ رہ گئے اور ان کی بھر پور حفاظت کی۔

اس موقع پر حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایک تلوار بھی عنایت کی جو "ذوالفقار" کے نام سے مشہور ہے۔ اس دوران حضور ﷺ کے دانت مبارک شہید ہوئے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شہید ہو گئے۔ اس بارے میں اللہ نے قرآن میں فرمایا:

"جب تم (افراتفری کی حالت میں) بھاگے جا رہے تھے اور کسی کو مڑ کر نہیں دیکھتے تھے اور رسول اس جماعت میں (کھڑے) جو تمہارے پیچھے (ثابت قدم) رہی تھی تمہیں پکار رہے تھے پھر اس نے تمہیں غم پر غم دیا (یہ نصیحت و تربیت تھی) تاکہ تم اس پر جو تمہارے ہاتھ سے جاتا رہا اور اس مصیبت پر جو تم پر آن پڑی رنج نہ کرو اور اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے۔" (سورۃ آل عمران آیت 153)

کچھ وقفے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم میدان میں واپس آنا شروع ہو گئے، چونکہ مشرکین اپنے بھاری سامانِ جنگ مثلاً زرہ بکتر کی وجہ سے اُحد کے پہاڑ پر چڑھ نہ سکے اس لیے کئی مسلمانوں کی جان بچ گئی، حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی ہندہ اور اس کے ساتھ کچھ لوگوں نے مسلمان شہداء کے ناک اور کان کاٹے اور ہندہ نے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کلیجہ نکال کر چبایا جس کا حضور ﷺ کو بے حد رنج رہا۔ کچھ مسلمانوں کے واپس آنے اور یہ معلوم ہونے کے بعد کہ حضور ﷺ شہید نہیں ہوئے، مشرکین نے جنگ سے مکہ کی طرف واپسی اختیار کی۔ اس غزوے میں بہت سی مسلم خواتین نے شرکت کی، حضرت عائشہ، حضرت انس کی والدہ حضرت اُمِ سلیم رضی اللہ عنہم نے زخمیوں کو پانی پلانے کا فریضہ سرانجام دیا۔ وہ مشک بھر بھر کر لاتی تھیں اور زخمیوں کو پلاتی تھیں مشک خالی ہو جاتی تو پھر بھر لاتیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت ابوسعید خدری کی والدہ حضرت اُمِ سلیط رضی اللہ عنہا نے یہی خدمت انجام دی۔ اس جنگ میں ستر مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا، جن میں زیادہ تر انصار تھے۔ لیکن مسلمانوں کی مالی حالت اس قدر ابتر تھی کہ اتنا کپڑا بھی نہ تھا کہ شہداء کی پردہ پوشی ہو سکتی تھی۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پاؤں چھپائے جاتے تو سر کھل جاتا اور سر ڈھانکا جاتا تو پاؤں کھل جاتے۔ آخر پاؤں اِذخر کی گھاس سے چھپا دیئے گئے۔

مولانا زبیر طیب

جنگوں کا زمانہ

گزشتہ چالیس دنوں سے امریکہ و اسرائیل کی ایران کے ساتھ جنگ جاری ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کا دائرہ وسیع تر ہوتا چلا جا رہا ہے۔ نہیں معلوم کہ اس کا اختتام کب اور کیسے ہوگا۔ آئے دن متضاد خبروں نے بے یقینی اور انتشار کی فضا پیدا کر دی ہے۔ اس جنگ میں اب تک پندرہ سے زائد ممالک بلا واسطہ متاثر ہو رہے ہیں۔ معیشت کا توازن خطرناک حد تک بگڑ چکا ہے۔ جو ممالک اس جنگ میں ملوث نہیں ہیں ان کے ہاں بھی معیشت بری طرح لرز رہی ہے اور صورتحال ہر گزرتے دن کے ساتھ عام فرد کی زندگی کو شدید متاثر کر رہی ہے۔ اس جنگ میں کس کا پلڑا بھاری ہے اور کون اس جنگ کا فاتح قرار پائے گا یا یہ جنگ مزید پھیل کر پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی اس سے قطع نظر ایک مومن کا ان حالات میں کیا ردعمل ہونا چاہیے اور اس کو کیا رویہ اختیار کرنا چاہیے اس کا مختصراً تذکرہ کرنا مناسب رہے گا۔

جنگی حالات کسی بھی قوم کے لیے محض سرحدی کشمکش کا نام نہیں ہوتے بلکہ یہ دراصل ایک ہمہ گیر امتحان ہوتے ہیں جس میں انسان کے ایمان، صبر، اخلاق، شعور اور اجتماعی ذمہ داریوں کا کڑا امتحان لیا جاتا ہے۔ قرآن کریم نے اس حقیقت کو نہایت واضح انداز میں بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَ لَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَ الْجُوْعِ وَ نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَ الْاَنْفُسِ وَ الثَّمَرٰتِ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ یعنی تمہیں خوف، بھوک، مال و جان اور پیداوار کی کمی کے ذریعے ضرور آزمایا جائے گا، اور خوشخبری ہے ان لوگوں کے لیے جو صبر کرنے والے ہیں۔ ویسے تو عام طور اس دنیا میں مومن کو ان چیزوں کے ذریعے آزمائش دی جاتی ہے لیکن خاص طور پر جنگ کے دوران ان تمام آزمائشوں کا سامنا بسا اوقات زیادہ اور بڑی شدت کے ساتھ کرنا پڑ سکتا ہے۔

ایسے حالات میں ایک مسلمان کا پہلا سہارا اس کا ایمان ہوتا ہے۔ ایمان محض ایک نظری عقیدہ نہیں بلکہ ایک زندہ قوت ہے جو دل میں یقین، زبان میں حوصلہ اور عمل میں استقامت پیدا کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ

فرماتے ہیں: وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ یعنی نہ کمزور پڑو اور نہ غم کرو، اگر تم مومن ہو تو تم ہی غالب رہو گے۔ یہ آیت دراصل اس اصول کو واضح کرتی ہے کہ غلبہ محض ہتھیاروں، تعداد یا ٹیکنالوجی سے نہیں بلکہ ایمان کی قوت سے حاصل ہوتا ہے۔ اگر ایمان کمزور ہو جائے تو بڑی سے بڑی قوت بھی شکست کھا سکتی ہے اور اگر ایمان مضبوط ہو تو کمزور وسائل کے باوجود کامیابی ممکن ہو جاتی ہے اور آج آپ اس کا نظارہ کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

اسی ایمان کی بنیاد توحید ہے۔ جب انسان یہ یقین رکھتا ہے کہ نفع و نقصان، زندگی و موت اور عزت و ذلت سب اللہ کے ہاتھ میں ہے تو پھر اس کے دل سے خوف نکل جاتا ہے۔ قرآن میں سوال اُٹھایا گیا: فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ اور پھر جواب دیا گیا: اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ یعنی حقیقی امن صرف ان لوگوں کے لیے ہے جو خالص ایمان رکھتے ہیں اور اسے شرک سے آلودہ نہیں کرتے۔ جنگی حالات میں یہ یقین انسان کو اندرونی استحکام عطاء کرتا ہے، کیونکہ وہ جان لیتا ہے کہ دشمن کی طاقت محدود ہے اور اللہ تعالیٰ کی مدد لامحدود۔

یوں تو ایک مؤمن کو ہر وقت ہی اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرتے رہنا چاہیے مگر خاص جنگی حالات میں ان کی اہمیت اور ضرورت مزید بڑھ جاتی ہے کیونکہ یہ چیزیں مومن کا ہتھیار ہیں اور یہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ فتح و نصرت کا انحصار ظاہری اسباب پر نہیں بلکہ دل کی استقامت، اللہ کی یاد اور اس کا حکم بجا لانے پر ہے ایسے حالات میں ذکرِ الٰہی اور دعا کی اہمیت کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔ قرآن کہتا ہے: اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ یعنی جب دشمن کا سامنا ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ یہ حکم اس حقیقت کو ظاہر کرتا ہے کہ جنگ میں اصل طاقت دل کی ہوتی ہے، اور دل کی قوت اللہ کے ذکر سے پیدا ہوتی ہے۔ بدر کے موقع پر نبی کریم حضرت محمد ﷺ کی دعاؤں کا منظر اس بات کی روشن مثال ہے کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق ہی کامیابی کی اصل کنجی ہے۔ موجودہ حالات میں اپنا معمول بنالیں کہ کفار و مشرکین کے لیے جس قدر ہلاکت اور ان کی ناکامی کی دعائیں کرسکیں آپ کریں اس سے قطعاً پہلوتہی اختیار نہ کریں۔

جنگی حالات میں سب سے بڑی آزمائش صبر اور استقامت کی ہوتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: لَا تَتَمَنَّوْا لِقَاءَ الْعَدُوِّ... فَاِذَا لَقِيْتُمُوْهُمْ فَاصْبِرُوْا یعنی دشمن سے مقابلے کی تمنا نہ کرو، لیکن جب

سامنا ہو جائے تو ثابت قدم رہو۔ یعنی پھر پیٹھ نہ پھیرو بلکہ سینہ سپر ہو جاؤ اور جیسے بھی حالات پیش آجائیں استقامت اختیار کرو۔ موجودہ حالات میں ہمارا ازلی دشمن ''ہندو مشرک'' اس تاک میں ہے کہ دنیا میں جاری جنگی کشمکش کا فائدہ اٹھا کر وہ ہمارے یہاں بھی حالات کو اس نہج پر پہنچا دے۔ اس لیے اگر حالات ایسے ہو جائیں تو گھبرانے اور ڈرنے کی بجائے استقامت اور ثابت قدمی کا مظاہرہ ایک مومن کے شایان شان ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں شجاعت، صبر وثبات اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ایسی فرماں برداری تھی جو نہ اس سے پہلے کسی کو حاصل ہوئی نہ بعد میں ہوگی، انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی صحبت کی برکت اور آپ کی اطاعت سے شرق وغرب کے ممالک کے ساتھ ساتھ دلوں کو بھی فتح کیا اور روم وفارس کے مقابلے میں نہایت تھوڑی تعداد کے باوجود سب پر غالب آئے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی زمین پر اللہ تعالیٰ کا نظام نافذ ہوگیا۔

موجودہ جنگی حالات کے تناظر میں ایک اہم ذمہ داری زبان اور قلم کی ہے۔ آج کا دور میں میڈیا کا ایک عام شخص کے ذہن پر بہت اثر ورسوخ ہے۔ قرآن مجید نے واضح ہدایت دی: اِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ یعنی جب ان کے پاس امن یا خوف کی کوئی خبر آتی ہے تو اسے پھیلا دیتے ہیں۔ اس روش کی مذمت کی گئی ہے، کیونکہ غیر مصدقہ خبریں دشمن کے لیے ہتھیار بن جاتی ہیں۔ جنگ کے دوران افواہیں، غلط معلومات اور منفی تبصرے قوم کے حوصلے توڑ دیتے ہیں، اس لیے ضروری ہے کہ ہر خبر کو تحقیق کے بعد ہی آگے بڑھایا جائے۔ حالات کی سنگینی دیکھ کر خود ہی تجزیہ نگار نہیں بن جانا چاہئے بلکہ اولو الامر اور ذمے دار حضرات پر معاملہ چھوڑ دیا جائے۔ بعض لوگ دشمن کی ظاہری چند قلابازیاں دیکھ کر مرعوب ہو جاتے ہیں اور پھر مایوسیاں پھیلانا شروع کر دیتے ہیں۔ غزوہ خندق کے موقع پر منافقین نے مایوسی پھیلانے کا کون سا طریقہ تھا جو اختیار نہ کیا ہو، تاکہ مسلمانوں میں مایوسی اور خوف پیدا ہو جائے۔ چنانچہ حالات کی سنگینی دیکھ کر منافقین نے کہا: مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا جبکہ مومنین نے کہا: هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ یہی فرق آج بھی نظر آتا ہے ایک طبقہ مایوسی پھیلاتا ہے اور دوسرا امید۔ ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ ہمیشہ امید، حوصلہ اور مثبت سوچ کو فروغ دے۔

موجودہ حالات کے تناظر میں کوشش کریں کہ اپنے آپ کو مضبوط کریں اور اپنے جسم کو کسی بھی آنے والے حالات کے مطابق تیار کریں۔ قرآن مجید میں ہے: وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ

یعنی اپنے دشمن کے خلاف جتنی طاقت ہو سکے تیار رکھو۔اس میں جسمانی، ذہنی اور تکنیکی تیاری سب شامل ہیں۔جب ہم سب بنیادی عسکری ٹریننگ سے واقف کار ہوں گے تو اس کا ایک فائدہ تو یہ ہوگا کہ ہنگامی حالات میں ہم خود حواس باختہ نہیں ہونگے اور دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ دشمن پر ہمارا رعب و دبدبہ بڑھے گا۔کوشش کرنی چاہیے کہ حتی المقدور بنیادی اسلحہ چلانے کی مشق ،جسمانی ورزش وغیرہ کو اپنے معمولات کا لازمی حصہ بنا لیں۔اگر آپ مخالفین کو دیکھیں تو وہ مکمل تیاری کیے ہوئے ہیں۔ان کے اسکولوں اور کالجوں کے نصاب میں باقاعدہ بچوں کو عسکری تربیت دی جاتی ہے۔ان ممالک کی کثیر تعداد ایسی ہے جن کا ہر شہری عسکری ٹریننگ سے واقفیت رکھتا ہے تو پھر ہم کیسے غفلت اختیار کر سکتے ہیں؟

موجودہ جنگی حالات میں اتحاد و اتفاق کی فضا قائم کی جائے۔آپسی جھگڑوں کو پس پشت ڈال کر دشمن کے خلاف یک زبان اور یکجا ہونے کی ضرورت ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ یعنی آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ تم کمزور ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا نکل جائے گی (یعنی تمہاری طاقت بکھر جائے گی) تاریخ گواہ ہے کہ جب بھی مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہوا، دشمن کو فائدہ ہوا۔اس لیے ایسے مواقع پر ذاتی، سیاسی اور لسانی اور علاقائی اختلافات کو پس پشت ڈال کر اتحاد کا مظاہرہ کرنا ضروری ہے۔رواں برس پاکستان اور افغانستان کے اختلافات بھی سنگینی اختیار کر گئے تھے مگر اب کافی حد معاملات بہتر ہو گئے ہیں۔دونوں اطراف سے بات چیت جاری ہے اور قوی امید ہے یہ اختلاف ختم ہو کر اتحاد و اتفاق کی فضا قائم ہو جائے گی۔

حقیقت یہ ہے کہ جنگی حالات میں ایک مومن کو انتہائی محتاط انداز میں آگے بڑھنا چاہیے۔یہ وہ لمحہ ہوتا ہے جب ایمان اور نفاق، صبر اور بے صبری، اتحاد اور انتشار، سچ اور جھوٹ سب واضح ہو جاتے ہیں۔آپ کس رخ پر کھڑے ہیں یہ آپ خود طے کرتے ہیں۔آپ کا جھکاؤ اور طرز عمل بتاتا ہے کہ آپ ان سخت ترین حالات میں ایک مضبوط مومن کا کردار نبھاتے ہیں یا نہیں۔حالات کیا رخ اختیار کریں گے فی الوقت کچھ نہیں کہا جاسکتا۔یہ جنگ بڑھ بھی سکتی ہے اور اس کا دائرہ ناقابل یقین حد تک وسیع ہو سکتا ہے۔محاذ ہمارے دروازوں تک تقریباً آن پہنچا ہے۔دنیا شاید اب پہلے جیسی نہیں رہے گی بہت کچھ تبدیل ہونے جا رہا ہے اسی لئے گھبرانے، پریشان ہونے یا پستی اور مایوسی اختیار کرنے کی بجائے ایک مومن کا کردار نبھانے کی ہمیں آج ابھی اسی وقت سے اشد ضرورت ہے۔

مولانا محمد نعمان خلیل

۱

عالم ربانی رئیس المحدثین حضرت شیخ محمد عوامہ دام ظلہ

اللہ تعالیٰ حضرۃ الشیخ، عالم ربانی، محدث العصر، فقیہ وقت، امام المحققین، رئیس المحدثین، آیۃ اللہ فی الأرض، حقیقی وارث نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)، نمونہ اسلاف، امام الجرح والتعدیل، راسخ فی العلم، محافظ السنۃ والحدیث، الموفق من اللہ، برکۃ العصر محمد عوامہ دامت برکاتہم العالیہ کی علمی، عملی اور روحانی زندگی میں برکت نصیب فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس امت کو زرخیز بنایا ہے۔ ہر زمانے میں ایسے افراد پیدا ہوتے رہتے ہیں، جن پر زمانہ خود فخر کرتا ہے، جن کے وجود سے زمین خوشی سے جھوم اٹھتی ہے، جن کی طرف آسمان اپنی رفعتوں کے باوجود رشک کی نگاہ سے دیکھتا ہے، جن کے لیے ملائکہ اور چرند پرند دعا گو رہتے ہیں، جنہیں دیکھ کر وقت اپنی تیز رفتاری کے باوجود گویا تھم جاتا ہے، جو اخلاف کو اسلاف سے جوڑتے ہیں اور اسلاف کی روح اخلاف تک امانت داری سے پہنچاتے ہیں، جو اپنی عقلِ سلیم، ذکاوت وذہانت، رسوخ فی العلم، گفتار وکردار، علمی اور روحانی مقام کی بدولت قرون اولیٰ کے محدثین کی یاد تازہ کرتے ہیں، جن کے چہرے پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا (نضر اللہ امرا...) کے اثرات واضح چمکتے ہیں۔ جن کی گفتگو علمی موتیوں کی مانند اور جن کا طرزِ تکلم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ تکلم کی یاد دلاتا ہے۔

ہماری سعادت کہ اللہ تعالیٰ نے حضرۃ الشیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ کا زمانہ نصیب فرمادیا، کتابوں میں علامہ جمال الدین مزی (۷۴۲ھ)، حافظ ذہبی (۷۴۸ھ) اور حافظ ابن حجر (۸۵۲ھ) رحمہم اللہ علیہم اور ان سے پہلے اور بعد والے محققین ومحدثین کے تالیفی اور تحقیقی کارنامے، ان کے رسوخ فی العلم اور ذہانت کے چرچے تو ہر ایک نے سنے ہوں گے، لیکن ان کی زیارت اور ان کا زمانہ نصیب نہیں ہوسکا، تاہم اللہ تعالیٰ

نے حضرۃ الشیخ دامت برکاتہم العالیہ کا زمانہ دکھادیا،موجودہ زمانے میں حدیث شریف سے شغف رکھنے والے، ہر چھوٹے بڑے طالبِ علم کی سب سے بڑی خواہش، سچی طلب، راتوں کی دعا اور ادھورا خواب یہ ہے کہ اسے حضرۃ الشیخ دامت برکاتہم العالیہ کی زیارت اور صحبت نصیب ہو جائے، یہی ان کا سب سے بڑا سرمایہ اور گم شدہ خزینہ ہے، اور جس طالب علم کو یہ نصیب ہو جائے تو اس کی طلب اور تمنا میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے، اسے علامہ مزی اور حافظ ذہبی رحمہااللہ کا زمانہ یاد آجاتا ہے۔ الحمدللہ! اللہ تعالیٰ نے رمضان المبارک کے بابرکت مہینے، روئے زمین کے عظیم ترین مقام، وحی الٰہی کے مرکز، احادیث مبارکہ کا منبع، مسجد نبوی شریف میں، آخری عشرے کی طاق رات میں حضرۃ الشیخ حفظہ اللہ سے اجازت حدیث نصیب فرمادی، اللہ تعالیٰ اس اجازت حدیث کی ظاہری، باطنی، علمی، روحانی اور دنیاوی واخروی برکات نصیب فرمادیں۔ آمین

بندہ اپنے شیخ ومربی، عالم ربانی، مصلح الامۃ، مشفق ومکرم والد محترم، جہادی وروحانی دعوت کے علم بردار، مصنفِ کتب کثیرہ وتالیفات مفیدہ، حضرت مولانا محمد مسعود ازہر دامت برکاتہم العالیہ کے حکم سے یہ روداد لکھ کر قارئین کی نظر کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس میں اخلاص نصیب فرمادیں اور قبول ونافع بنائیں۔ اور حضرت شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ کا جو حق بندہ پر واجب ہوگیا ہے، اس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ان کے علمی، عملی، تحقیقی اور روحانی تذکرے کو زیادہ سے زیادہ عام کیا جائے، اس لیے ضروری ہے کہ اجازت حدیث کے یادگار لمحے کو لکھنے سے پہلے حضرت دامت برکاتہم العالیہ کے احوال قدرِ تفصیل سے ذکر کیے جائیں۔ حضرت دامت برکاتہم العالیہ کے فرزند ارجمند، نامور محقق ومصنف الدکتور محیی الدین عوامہ حفظہ اللہ نے اپنے والد محترم کے تذکرے پر ایک رسالہ صفحات مضیئۃ من حیاۃ سیدی الوالد العلامۃ محمد عوامۃ کے نام سے مرتب کیا ہے، اسی کو مأخذ بنا کر شیخ کے احوال پیشِ خدمت ہیں:

نام ونسب:

ابوالفضل محمد بن محمد بن عبدالقادر بن عمر بن علی عوامہ النعیمی الحسینی۔

والدہ کی طرف آپ کا نسب یوں ہے:

سیدہ عائشہ بنت احمد بن علی آل سراج الدین الحسینیہ۔

آپ نجیب الطرفین ہیں، والد مکرم اور والدہ محترمہ دونوں کی طرف سے آپ کا نسب حضرت سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا کر ملتا ہے۔

ولادت باسعادت:

حضرت شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ کی ولادت باسعادت چودہ ذی الحجہ ۱۳۵۸ھ بمطابق ۲۵ جنوری ۱۹۴۰ء میں حلب کے علاقہ باب المقام میں ہوئی۔

آپ کی پیدائش کے وقت آپ کے چہرہ پر باریک سی جھلی تھی، جو وہاں کے معاشرے میں خیر و صلاح کی علامت سمجھی جاتی ہے۔

ابتدائی تعلیم:

حضرت شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ کے والد ایک علمی، روحانی، متواضع، اکابر و شیوخ کی مجالس کے حاضر باش، پروقار و بااخلاق اور صاحب الرائے شخصیت تھے۔ چنانچہ والد محترم کی ان اوصاف کا اثر ہونہار بیٹے پر بھی ہوا۔ والد محترم نے سب سے پہلے آپ حفظہ اللہ کو اپنے قریبی دوست، فقیہ وقت شیخ محمد سلقینی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں مشغول کر دیا، جو اس علاقہ کے امام اور قابل قدر علمی اور روحانی شخصیت تھے۔ آپ حفظہ اللہ اپنی کم عمری ہی میں ان کی مجالس وعظ اور دروس وغیرہ میں باقاعدگی سے شرکت کرنے لگے۔ آپ حفظہ اللہ کے اخلاق، تواضع، زہد و پاکدامنی اور تقویٰ وللّٰہیت میں ان کی تربیت کا گہرا اثر ہوا۔ دس سال کی عمر ہی میں ان سے جو علمی اور روحانی تربیت پائی وہ ہمیشہ کے لیے زندگی کا حصہ بن گئی۔

قدیم طرز تعلیم:

حضرت شیخ حفظہ اللہ کی خوش نصیبی کہ انہیں قدیم محدثین وفقہاء کے طرز پر تعلیم نصیب ہوئی، جس کے اثرات واضح طور پر آپ کی شخصیت اور آپ کے متنوع علمی و تحقیقی کاموں میں دکھائی دیتے ہیں۔ اس طریقہ تعلیم اور طرز تدریس کو الطریقة المشیخیة کہا جاتا ہے، جس میں ایک طالبِ علم ایک استاذ سے نہ صرف ایک کتاب پڑھتا ہے، بلکہ اپنی علمی، عملی اور روحانی پوری زندگی انہی کے سپرد کر دیتا ہے،

جس میں مرحلہ وار علوم وفنون کی تکمیل کی جاتی ہے، جس میں علم سے پہلے آداب سے آراستہ کیا جاتا ہے، جس میں علم کے ساتھ ساتھ عمل ہوتا ہے، جس میں اپنے شیخ کی خدمت میں سالہا سال بتائے جاتے ہیں، حضر وسفر کا ساتھی بننا پڑتا ہے، اِسے محدثین کی اصطلاح میں ملازمۃ الشیخ بھی کہتے ہیں، امام بخاری (۲۵۶ھ) رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الجامع المسند الصحیح المختصر کو جن چند وجوہات کی بناء پر امتیاز حاصل ہے، ان میں ایک اہم وجہ راویوں میں ملازمۃ الشیخ کی رعایت کرنا ہے۔ یہی وہ طریقہ تعلیم ہے، جس نے امام ابوحنیفہ (۱۵۰ھ) رحمۃ اللہ علیہ کو امام اعظم، امام ابو یوسف (۱۸۲ھ) کو قاضی القضاۃ اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ (۲۵۶ ھ) کو امیر المؤمنین فی الحدیث بنایا۔ ہمارے اسلاف میں جتنے ماہرین فن اور ائمہ کرام گزرے ہیں، وہ سب اسی طرز تعلیم سے تربیت یافتہ تھے۔ محدثین عظام اور فقہائے کرام کی زندگی اٹھا کر دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے آدھی زندگی اور کسی نے پوری زندگی ایک شیخ کے دامن سے چمٹ کر گزار دی۔

ہمارے رسمی نظام تعلیم کی جہاں بہت سی خوبیاں ہیں، وہیں ایک بہت بڑی خامی یہ ہے کہ اسلاف کا یہ طریقہ تقریباً مفقود ہو چکا ہے، اب طلبہ کا اپنے مشائخ سے تعلق صرف چند گھنٹوں تک محدود رہ گیا ہے، یہی وجہ ہے کہ آج نہ وہ تربیت ہے، اور نہ ہی علوم وفنون میں وہ مہارت جو ہمارے اسلاف کا طرہ امتیاز تھا۔ وإلی اللہ المشتکی.

حضرت شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ کو یہ سعادت ملی کہ انہیں اپنے شیخ، عالم باعمل، محقق ومحدث حضرت عبداللہ سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ پچاس سال تک صحبت نصیب رہی اور عالم عرب کے مشہور ومعروف محدث وفقیہ اور محقق کبیر شیخ عبد الفتاح ابو غدۃ رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ چالیس سال کی طویل رفاقت ملی۔ اس پورے عرصہ میں حضرت شیخ حفظہ اللہ نہ صرف ان کے تلمیذ وشاگرد رہے بلکہ ان کے علمی اور تحقیقی کاموں میں بہترین معاون بھی ثابت ہوئے۔ حضرت شیخ عبد الفتاح ابو غدہ رحمۃ اللہ علیہ نے قواعد فی علوم الحدیث کے حاشیہ میں انہیں تلمیذ الامس و زمیل الیوم کی لقب سے نوازا ہے۔ اور ان کی تحقیقات کو اپنی کتب میں جگہ دی ہے، دونوں شیوخ کی کئی کتب کی اشاعت میں آپ حفظہ اللہ کا اہم کردار رہا ہے۔

جاری ہے

رفقائے دارالبیان

۱

سود کے بغیر کامیاب معیشت

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو انسانی زندگی کے ہر شعبے ، بالخصوص معیشت میں عدل وانصاف اور فلاح و بہبود کا علمبردار ہے ۔ موجودہ دور میں سرمایہ دارانہ نظام نے ’’سود‘‘ کو معیشت کی شہ رگ قرار دے کر پوری انسانیت کو قرضوں کے ایسے چنگل میں پھنسا دیا ہے جس سے نکلنے کی کوئی راہ بظاہر نظر نہیں آتی ۔ لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے ، سود نہ صرف ایک معاشی استحصال ہے بلکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف اعلانِ جنگ بھی ہے ، جس کا فیصلہ میدان محشر کے بجائے دنیا میں ہی صادر ہونے کے امکانات موجود ہیں ، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عدالت ہر لمحہ فیصلے سنا رہی ہے ۔ عام طور پر یہ پروپیگنڈا کیا جاتا ہے کہ سودی نظام کے بغیر جدید معیشت کا پہیہ نہیں چل سکتا اور عالمی مالیاتی اداروں سے قرض لیے بغیر ترقی کے منصوبے ناممکن ہیں ۔ یہ معیشت دانوں کا ایسا ذہنی مغالطہ اور گورکھ دھندا ہے جس نے ایک شکنجے کی طرح ہر قوم کے گلے کو دبوچ رکھا ہے اور جس کے ذریعے سود خوروں کے پیٹ بھرنے کے لیے عوام الناس کا خون چوسا جا رہا ہے ۔ یہ ذہنیت اقوام کو اپنی اصل صلاحیتوں پر بھروسہ کرنے کے بجائے اغیار کا محتاج بناتی ہے ۔ تاہم ، کیا سودی قرضہ جات کے علاوہ ترقی کا کوئی اور راستہ موجود نہیں ہے؟ تاریخ اس کے برعکس گواہی دیتی ہے ۔ اگر ہم تاریخ کے اوراق پلٹیں تو یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ حقیقی خوشحالی اور پائیدار ترقی صرف اسی نظام میں ممکن ہے جہاں مال کی گردش چند ہاتھوں تک محدود ہونے کے بجائے معاشرے کے محروم طبقات تک پہنچے ۔ زیرِ نظر تحریر میں اس سوال کے جواب

کے لیے ہم سود کے بغیر کامیاب معیشت کی ایسی روشن مثالیں ،متبادل راستے اور تاریخی حقائق قارئین کے پیش خدمت کرتے ہیں جو اس بات کا ثبوت ہیں کہ الٰہی اصولوں پر مبنی نظام ہی انسانیت کی بقا اور معاشی خودمختاری کی واحد ضمانت ہے۔

پہلی مثال

نبی کریم ﷺ جب مدینہ منورہ میں ہجرت کر کے گئے تو وہاں اوس وخزرج یہودی تاجروں کے سودی جال میں بری طرح پھنسے ہوئے تھے جو رقم قرضے کی مد میں لی تھی اس سے کہیں زیادہ سود اداء کر چکے تھے لیکن اصل رقم جوں کی توں واجب الاداء تھی۔ نبی کریم ﷺ نے اوس وخزرج کو سودی جال سے نکالنے کے لیے سودی معیشت کا بائیکاٹ کیا اور ان کو ترقی کی نئی راہ پر گامزن کیا۔ یہ بات یاد رہے کہ مختلف ترقیاتی منصوبہ جات کی جتنی زیادہ ضرورت مدینہ میں تھی شاید ہی آج تک کسی جگہ اتنی ضرورت محسوس کی گئی ہو۔ اچانک سینکڑوں مکی مہاجر صحابہ کرام کی آمد، رومی، یمنی ،شامی حبشی اور گردونواح کے ہزاروں نومسلموں کی مدینہ میں تشریف آوری اور ان کے علاوہ کتنے ہی بوریانشین اجنبی اور پردیسی اصحاب صفہ ،ان سب کو چھت ،چادر اور چاردیواری سے لے کر ذریعہ معاش اور کاروباری سہولیات باہم پہنچانا ریاست کے لیے بہت بڑا مسئلہ تھا۔

آج کا کوئی دانشور ہوتا تو نبی کریم ﷺ کو سودی قرضہ جات کا خوبصورت مشورہ ضرور دیتا لیکن آپ ﷺ نے کمال حکمت و دانائی سے معاملات کو ایسے احسن انداز سے حل کیا کہ دیکھتے ہی دیکھتے مدینہ کی چھوٹی سی ریاست بڑے بڑے معیشت دانوں کے لیے رول ماڈل بن گئی۔

جن کے پاس پہننے کے لیے ایک جوڑا تک نہیں ہوتا تھا چند سالوں کے بعد ان میں سے ایک ایک کے پاس ہزاروں غلام تھے ۔جن کو دربدر کی ٹھوکروں کے لیے گھروں سے بے گھر کر دیا گیا تھا۔ وہ صدقہ کرنے بیٹھتے تو یک مشت چھے چھے کلو سونا اور ۲۹،۲۹ کلو چاندی اللہ تعالیٰ کی راہ میں لٹا دیتے ان کی معیشت ایسے ابھری کہ ترقی کی معراج کو چھونے لگی پھر وہ اینٹ بھی اٹھاتے تو سونا نکلتا جن کے پاس کل تک جنگ لڑنے کے لیے پورے لشکر میں صرف دو گھوڑے تھے صرف سات آٹھ سال کے مختصر عرصے کے بعد ان کا ایک ایک فرد نو،نو سو اونٹ اور سو سو گھوڑے اللہ تعالیٰ کی راہ

میں وقف کر رہا تھا۔

دوسری مثال

دوسری مثال حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے ۔ہم تو صرف چند گھروں کی تعمیر کے لیے سودی جواز کا خواب دیکھ رہے ہیں ادھر عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہاؤسنگ سکیمز کا رول پلے مشاہدہ میں لائیے ۔چند ایک گھر تو دور کی بات شہروں کے شہر آباد کر رہے ہیں ۔کوفہ ،بصرہ ،جزیرہ فسطاط(قاہرہ) جیسے نئے شہر اور دس ہزار نئی مساجد اس کے علاوہ ہیں ۔انہوں نے مہذب دنیا کے سامنے بہت سی مالی وملکی سیاسی وانتظامی معاشرتی وتمدنی باتیں تجویز وایجاد فرمائیں ۔بیت المال یا خزانہ باقاعدہ طور پر قائم کیا ،سن ہجری قائم کیا ،فوج کے واسطے باقاعدہ دفتر مقرر کیا ،مالی دفتر الگ قائم کیا ،رضا کاروں کی تنخواہیں مقرر کیں ۔ملک کی پیمائش کا قاعدہ جاری کیا ،مردم شماری کرائی ،نہریں کھدوائیں ،شہر آباد کیے ،مقبوضہ علاقوں کو باقاعدہ صوبوں میں تقسیم کیا ،حربی تاجروں کو ملک میں آنے اور تجارت کرنے کی اجازت دی ،درہ کا استعمال کیا ،جیل خانہ قائم کیا ،پولیس کا محکمہ قائم کیا ،راتوں کو گشت کر کے رعایا کے حال سے باخبر رہنے کا طریقہ نکالا ،پرچہ نویس مقرر کیے ،مسافروں کے لیے کنویں اور مکانات بنوائے ،مفلوک الحال عیسائیوں اور یہودیوں کے روزینے مقرر کیے وغیرہ وغیرہ ۔[تاریخ اسلام ۱/ ٤٤٢ (از اکبر شاہ خان نجیب آبادی)]

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں معیشت کا پہیہ اتنی تیزی سے گھوما کہ پیدا ہوتے ہی بچے کا وظیفہ مقرر ہونے لگا ۔لیکن محال ہے کہ انہوں نے کبھی سودی قرضہ جات کے لین دین کا سوچا بھی ہو۔

تیسری مثال

دراصل ٹیکنالوجی کے خمار میں ڈوبے اور بزعم خود ضرورت سے زیادہ پڑھے لکھے بہت سے لوگوں کو سنا گیا ہے جب ان کے سامنے مندرجہ بالا دونوں تاریخی مثالوں کا تذکرہ کیا جائے تو وہ کہتے ہیں اس وقت کون سے جہاز اڑتے تھے ،ٹرینیں چلتی تھیں ،میٹرو بس سہولیات تھیں ،اورنج ٹرین کے ٹریک بنتے تھے ،پل اور موٹرے بنائے جاتے تھے ،مشینری برآمد کرنا پڑتی تھیں لیپ ٹاپ تقسیم کرنا پڑتے تھے یا

جدید کمپیوٹرائز سسٹم لاگو کرنا پڑتے تھے، اب تو ترقی کرنے کی ضرورت ہی ایسی ہے کہ قرض کے بغیر بڑے بڑے پراجیکٹ بنائے ہی نہیں جاسکتے۔

ایسے ماہرین معیشت کی خدمت میں گزارش ہے کہ ماضی قریب میں ہندوستان پر انگریز تسلط کا مشاہدہ کریں۔ انگریز برصغیر کو لوٹنے اور یہاں سے کمانے آیا تھا اس کو سنوارنے نہیں آیا تھا، اس کو کیا مصیبت پڑی تھی کے اپنے پیسوں سے یہاں ترقیاتی کام کرے۔

1860ء کے پہلے بجٹ سے لیکر 28 فروری 1947ء کے بجٹ تک پورے ہندوستان کی ضروریات اسی ملک کے وسائل سے پوری ہوتی تھیں۔ کلکتہ سے لیکر طورخم اور چمن تک ریلوے کا مربوط نظام جس میں صرف سبی سے کوئٹہ تک 29 سرنگیں آتی تھیں۔ صرف چمن کے خوجک پہاڑ کی سرنگ ساڑھے تین میل لمبی تھی۔ ریلوے اسٹیشن کے پھاٹک، کوارٹر، کالونیاں اور اعلیٰ افسران کی رہائش گاہیں یہ سارا نظام اس وقت کے لحاظ سے کسی میٹرو یا اورنج ٹرین سے کم نہیں تھا۔ سب سے بڑا نہری نظام قائم کیا اس نہری نظام پر تین کروڑ پچاس لاکھ پاؤنڈ لاگت آئی تھی۔ ہسپتال، کالج، سکولز، یونیورسٹیاں قائم کیں، ٹیلی گرام سسٹم قائم کیا، 1926ء میں کلکتہ ریڈیو کا آغاز کیا، صرف لاہور، راولپنڈی اور مری کے مال روڈ کی عمارات یا دہلی اور کلکتہ کی خوبصورت تعمیرات کو گننا شروع کریں تو وہ ہزاروں تک ہیں۔ (ان ساری تعمیرات کے پیچھے اس کے کیا مقاصد تھے اور ایک مسلمان کے لیے ان رفاحی کاموں کو کس نگاہ سے دیکھنا چاہیے یہ ایک الگ بحث ہے)۔ اس کے علاوہ 2 کروڑ بیس لاکھ پاؤنڈ سالانہ اپنی فوج پر خرچ کرتے تھے اور سالانہ تیس کروڑ پاؤنڈ برطانیہ بھیجتے تھے۔ کیا خیال ہے انگریز نے ہندوستان میں اتنے بڑے بڑے مالی پراجیکٹ اپنی جیب سے مکمل کیے یا کسی بیرونی ملک سے قرضہ لیکر تعمیراتی سکیموں کو مکمل کیا۔ اس کا دماغ خراب تو تھا لیکن اتنا بھی نہیں کہ ایک بیگانے ملک کی تعمیر وترقی کے لیے قرضوں کے بھاری بوجھ اٹھاتا پھرتا، یہ سارے کام اس نے اسی ملک کے وسائل اور سرمائے سے کیے تھے۔ تو اگر کل یہی ہندوستان کسی بیرونی سودی قرض کے بغیر ترقی کرسکتا تھا تو آج کیوں نہیں؟

جاری ہے

مولانا عبدالحفیظ امیرپوری

اللہ کا حق

انسان جب اس دنیا میں آنکھ کھولتا ہے تو وہ اپنے آپ کو بے شمار نعمتوں میں گھرا ہوا پاتا ہے۔ سانس لینے کے لیے ہوا، پینے کے لیے پانی، کھانے کے لیے رزق، رہنے کے لیے زمین اور زندگی گزارنے کے لیے بے شمار وسائل، یہ سب کچھ اسے بغیر کسی قیمت کے عطاء کیا گیا ہے۔ یہ نعمتیں نہ اس کی محنت کا نتیجہ ہیں اور نہ ہی اس کی ملکیتِ حقیقی، بلکہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی عطا اور اس کا فضل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جسم عطاء فرمایا اور اس کے ساتھ ساتھ اسے مال و دولت سے بھی نوازا۔ جس طرح جسم کے استعمال کے لیے حدود و قیود مقرر کی گئیں، اسی طرح مال کے استعمال کے لیے بھی واضح احکام دیئے گئے۔ بندگی کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنے جسم کو بھی اللہ کے حکم کے مطابق استعمال کرے اور اپنے مال کو بھی اسی کی رضا کے لیے خرچ کرے۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان جس مال کو اپنا سمجھتا ہے، وہ دراصل اس کا نہیں بلکہ اللہ کا دیا ہوا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

"وَآتُوهُم مِّن مَّالِ اللهِ الَّذِيْ آتَاكُمْ"

اور ان کو اللہ کے اس مال میں سے دو جو اس نے تمہیں عطاء کیا ہے۔

یہ آیت ہمیں اس بنیادی حقیقت سے آگاہ کرتی ہے کہ ہم مالک نہیں بلکہ امین ہیں۔ ہمیں یہ مال اس لیے دیا گیا ہے کہ ہم اسے اللہ کی مرضی کے مطابق استعمال کریں اور اس میں اس کا حق ادا کریں۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَابْتَغِ فِيْمَا آتَاكَ اللهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ

جو کچھ اللہ نے تمہیں دیا ہے، اس کے ذریعے آخرت کا گھر حاصل کرو۔

یہ دنیا کا مال دراصل ایک آزمائش ہے۔ یہ دیکھنے کے لیے دیا گیا ہے کہ انسان اسے کس طرح استعمال کرتا ہے، کیا وہ اسے صرف اپنی خواہشات کی تکمیل میں صرف کرتا ہے یا اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرتا ہے۔

یہ سونا، چاندی، نقدی، زمینیں، باغات، فصلیں اور مال مویشی، یہ سب اللہ کی عطا کردہ نعمتیں ہیں۔ اگر ان کو اللہ کے حکم کے مطابق استعمال کیا جائے تو یہی نعمتیں عبادت بن جاتی ہیں اور اگر ان میں "اللہ کا حق" ادا نہ کیا جائے تو یہی نعمتیں وبالِ جان بھی بن سکتی ہیں۔

اسلام کا اقتصادی نظام نہایت متوازن اور حکیمانہ ہے۔ یہ دولت کو ایک جگہ جمع ہو کر رکنے نہیں دیتا بلکہ اسے گردش میں رکھتا ہے تاکہ معاشرہ توازن کا شکار نہ ہو، امیر تکبر میں مبتلا نہ ہو اور غریب مایوسی کا شکار نہ ہو۔

اللہ کی راہ میں خرچ کرنا صرف ایک معاشرتی ضرورت نہیں بلکہ ایک روحانی تربیت بھی ہے۔ جب انسان اللہ کے لیے دیتا ہے تو اس کے دل سے مال کی محبت کم ہوتی ہے، اور وہ اپنے اصل مقصدِ زندگی یعنی بندگی کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

اسی نظام کا ایک اہم حصہ "عشر" ہے، جسے اکثر نظرانداز کر دیا جاتا ہے، حالانکہ یہ بھی زکوٰۃ ہی کی ایک شکل ہے۔ جس طرح سونے اور چاندی پر زکوٰۃ فرض ہے، اسی طرح زمین کی پیداوار پر بھی اللہ نے حق مقرر فرمایا ہے۔

قرآن کریم میں واضح حکم ہے:

وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ

یعنی: کھیتی کٹنے کے دن اس کا حق ادا کرو۔

یہ حکم ہمیں بتاتا ہے کہ جب بھی زمین سے پیداوار حاصل ہو، اسی وقت "اللہ کا حق" ادا کرنا ضروری ہے۔ یہ کوئی اختیاری عمل نہیں بلکہ ایک لازمی فریضہ ہے۔

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

أَنفِقُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ

یعنی: اپنی پاک کمائیوں میں سے خرچ کرو اور اس میں سے بھی جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے نکالا۔

یہ آیات ہمیں اس بات کی طرف متوجہ کرتی ہیں کہ زمین کی پیداوار میں بھی ''اللہ کا حق'' ہے، اور اس کو ادا کرنا بندگی کا حصہ ہے۔

نبی کریم ﷺ نے بھی اس کی وضاحت فرمائی:

جس زمین کو بارش یا چشموں نے سیراب کیا ہو، اس میں عشر ہے، اور جسے محنت سے سیراب کیا جائے، اس میں نصف عشر ہے۔''

یہ نظام نہایت عادلانہ ہے، کیونکہ جہاں محنت کم ہو وہاں حصہ زیادہ ہے اور جہاں محنت زیادہ ہو وہاں حصہ کم رکھا گیا ہے۔

ذرا سوچیے! ایک کسان زمین میں بیج ڈالتا ہے، مگر اگانے والا کون ہے؟ وہ پانی دیتا ہے، مگر بارش برسانے والا کون ہے؟ وہ کھیتی کی دیکھ بھال کرتا ہے، مگر اسے پروان چڑھانے والا کون ہے؟ یہ سب اللہ کی قدرت کے مظاہر ہیں۔ اگر انسان اس حقیقت کو سمجھ لے تو وہ بھی ''اللہ کا حق'' ادا کرنے میں کوتاہی نہ کرے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جس نے اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کر دی، اس نے اپنے مال کے شر سے خود کو محفوظ کر لیا۔''

یہ ایک عظیم بشارت ہے کہ جو شخص ''اللہ کا حق'' ادا کرتا ہے، اس کا مال محفوظ ہو جاتا ہے، اس میں برکت آتی ہے، اور وہ نقصان سے بچ جاتا ہے۔

اس کے برعکس جو شخص بخل کرتا ہے، اللہ کا مقرر کردہ حق ادا نہیں کرتا، اس کے لیے سخت وعیدیں آئی ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن اس کا مال ایک خوفناک سانپ کی شکل میں اس کے گلے کا طوق بنا دیا جائے گا۔ یہ محض ایک تمثیل نہیں بلکہ ایک حقیقت ہے جو انسان کو جھنجھوڑنے کے لیے کافی ہے۔

آج ہمیں اپنے آپ سے یہ سوال کرنا چاہیے: کیا ہم اپنے مال میں "اللہ کا حق" ادا کر رہے ہیں؟

کیا ہماری کمائی پاک ہے اور اس میں سے ہم اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں؟

کیا ہماری زمین کی پیداوار میں سے ہم عشر نکالتے ہیں؟

اگر نہیں، تو ہمیں اپنے طرزِ عمل پر سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ بخل ایک خطرناک بیماری ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

"بخل اور ایمان ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے۔"

جب انسان مال کو سینے سے لگا لیتا ہے اور اسے خرچ کرنے سے گھبراتا ہے تو وہ دراصل اپنے ایمان کو کمزور کر رہا ہوتا ہے۔

اللہ کی راہ میں خرچ کرنا دراصل نقصان نہیں بلکہ نفع ہے۔ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"اے ابن آدم! خرچ کر، میں تجھ پر خرچ کروں گا۔"

یہ اللہ کا وعدہ ہے، اور اللہ کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

جو شخص اللہ کے لیے دیتا ہے، اللہ اسے کئی گنا بڑھا کر دیتا ہے۔ کبھی مال کی صورت میں، کبھی برکت کی صورت میں، اور کبھی سکونِ قلب کی صورت میں۔

عشر ادا کرنا خاص طور پر ان لوگوں کے لیے بہت اہم ہے جو زمین سے رزق حاصل کرتے ہیں۔ کسان، زمیندار، کاشتکار اور وہ تمام لوگ جو کسی نہ کسی شکل میں زمین کی پیداوار سے وابستہ ہیں۔

بدقسمتی سے ہمارے معاشرے میں اس فریضے سے غفلت عام ہے۔ لوگ اپنی محنت کا حساب تو رکھتے ہیں مگر "اللہ کے حق" کو بھول جاتے ہیں، حالانکہ اگر ہم اس حق کو ادا کریں تو نہ صرف ہمارے مال میں برکت آئے گی بلکہ معاشرے میں بھی خوشحالی اور توازن پیدا ہوگا۔

یا اللہ! ہمیں اپنے مال کا صحیح حق ادا کرنے کی توفیق عطاء فرما۔ ہمیں بخل اور غفلت سے بچا، ہمیں اپنے احکام کی پابندی کرنے والا بنا اور ہمیں دنیا و آخرت کی رسوائی سے محفوظ فرما۔ ہمارے مال کو ہمارے لیے باعثِ رحمت بنا نہ کہ باعثِ عذاب۔ آمین یارب العالمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ادعیہ نبویہ (صلوٰۃ اللہ علیٰ صاحبہا)

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَاَنَا عَبْدُكَ وَ اَنَا عَلٰی عَهْدِكَ وَ وَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَیَّ وَ اَبُوْءُ لَكَ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْلِیْ فَاِنَّهٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ

ترجمہ یا اللہ! آپ میرے رب ہیں آپ کے سوا کوئی معبود نہیں، آپ نے مجھے پیدا فرمایا میں آپ کا بندہ ہوں اور آپ کے عہد اور وعدے پر قائم ہوں جہاں تک مجھ سے ہو سکے، میں اپنے کئے اعمال (بد) سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں اور آپ کی نعمت کا اقرار کرتا ہوں اور آپ کے سامنے اپنے گناہوں کا اقرار کرتا ہوں، لہٰذا مجھے بخش دیجئے بے شک گناہوں کو آپ کے سوا کوئی نہیں بخش سکتا۔

بخاری، رقم: 6306

اَللّٰهُمَّ لَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ

ترجمہ یا اللہ! مجھے روزِ قیامت رسوا نہ فرمائیے گا۔

احمد، رقم: 4/234 بسند صحیح

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَنَا، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَنَا، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَنَا

ترجمہ یا اللہ! ہمیں بخش دیجیے، یا اللہ! ہمیں بخش دیجیے، یا اللہ! ہمیں بخش دیجیے۔

البخاری فی الادب المفرد، رقم: 1148

سریہ فدک۔ شعبان 6 ہجری: نبی کریم ﷺ نے حضرت سیدنا علی المرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیادت میں 100 سواروں کا دستہ مقام فدک کی طرف روانہ فرمایا۔ فدک میں قبیلہ بنوسعد آباد تھا۔ ان کے بارے میں اطلاع تھی کہ خیبر کے یہود سے مل کر مسلمانوں پر حملہ کرنے کی تیاری میں ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان پر کمین لگا کر حملہ کیا۔ بنوسعد فرار ہو گئے اور کثیر مقدار میں جانوروں اور غلے کی شکل میں مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔

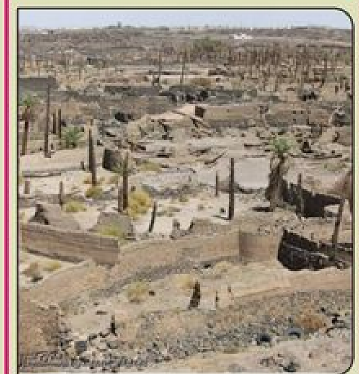
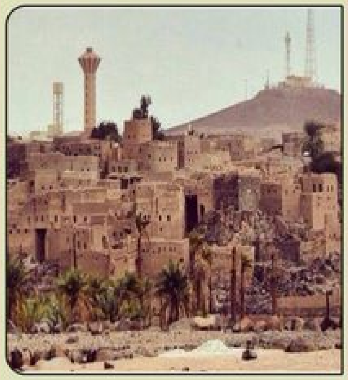

فدک کے باغات اور قلعوں کا منظر